پروفیسر شمس الدین

ڈاکٹر مشتاق احمد

صدر شعبہ

گورنمنٹ کالج, بھدرواہ

drmushtaq1979@gmail.com

پروفیسر شمس الدین ۱۸ جون ۱۹۳۱ء میں سری نگر کے زینہ کدل علاقہ محلہ ایشاں صاحب میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادجان کا نام خواجہ عزیزالدین جان اور والد کا نام خواجہ محی الدین جان تھا۔ خواجہ عزیزالدین جان خانقاہ معلی میں سجادہ نشین تھے۔ ان کو سجادہ نشینی ورثہ میں ملی تھی۔ ان کے آٹھ بچے تھے، جن میں دو بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ خواجہ محی الدین جان سب سے بڑا بیٹا تھا۔ خواجہ عزیزالدین جان کے انتقال کے وقت سبھی بچے نابالغ تھے۔ یہ گھر معاشی بدحالی کا شکار ہوا۔ گھر کا ایک ایک فرد محنت مشقت کرنے لگا۔

خواجہ محی الدین جان کے پانچ بیٹے تھے۔ بچوں کے نان ونفقہ کی جدوجہد میں وہ تعلیم حاصل نہ کرسکے تھے۔ جب معاشی حالت سدھر گئی تو تعلیم حاصل نہ کرنے کا صدمہ ہوا۔ اب انہوں نے پانچوں بیٹوں کو اعلی تعلیم حاصل کروانے کا مصمم قصد کیا۔ اگرچہ گھر میں علمی ماحول نہ تھا پھر بھی غلام نبی جان کے سوا سبھی بھائیوں نے اعلی تعلیم حاصل کی۔ غلام نبی جان پانچویں جماعت سے آگے بڑھ نہ سکا تاہم ہینڈی کرافٹس محکمے میں ملازمت کی۔ غلام محمد جان ڈاکٹر بنا اور نظام الدین لیکچرار۔ دوسرا بھائی اسداللہ بچپن میں ہی اس دنیا سے چل بسا تھا۔ خواجہ محی الدین کے انتقال کے بعد شمس الدین کو بڑے بیٹے کی حیثیت سے گھر کا سارا بوجھ اٹھانا پڑا۔ اب گھر میں تعلیم کا اچھا ماحول بن گیا تھا۔ دستکاری کا کارخانہ شہرت حاصل کرچکا تھا۔ اس کا اختیار غلام نبی جان کے ہاتھوں میں تھا۔ بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے گھر میں سبھی لوگ شمس الدین کی عزّت کرتے تھے بالخصوص ماں کی ممتا شامل حال تھی۔ ان کی والدہ ایک نیک سیرت اور سادہ مزاج خاتون تھیں۔

تعلیم: شمس الدین نے پانچویں جماعت تک محلہ کے جبری اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ آٹھویں جماعت کا امتحان انہوں نے مڈل اسکول دلاور خان فتح کدل سے پاس کیا۔ یہیں مڈل

Scanned with OKEN Scanner

اسکول سے ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ ریاضی مضمون میں کمزور ہونے کی وجہ سے دسویں جماعت میں انہیں ایک سال کے بجائے دوسال لگے۔ اس وقت تک قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔ انہوں نے ایس۔ پی کالج سے ایف۔ اے اورامر سنگھ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد والد نے انہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھیجا۔ والد چاہتے تھے کہ شمس الدین جج بنے اسی لئے زور دیا کہ قانون کی تعلیم حاصل کرے۔ علی گڑھ پہنچ کرانہوں نے ایم۔ اے فارسی اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیمی سفر کے دوران وقت کے اعلی پایہ اورپرخلوص اساتذہ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات رہے۔ خداداد صلاحیت کے ساتھ وہ محنتی تھے اور سیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ اسی لئے ان اساتذہ نے تراشنے میں کوئی کسرباقی نہیں رکھی۔ میٹرک سطح تک انہوں نے قاضی سیف الدین، عبدالسلام سالک، سومناتھ کول اور شنکر کول جیسے سخت گیر اساتذہ دیکھے تھے لیکن کالج پہنچ کر بڑے بڑے عالم اوردانشور پروفیسر صاحبان دیکھے۔ جن کی تعلیم وتربیت اور صحبت سے ان کی دنیا بدل گئی۔

ملازمت: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ماسٹرس ڈگری حاصل کرکے شمس الدین واپس سری نگر پہنچے۔ یہاں ان کو ملازمت کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کرنا پڑی۔ وہ سری نگر کے اساتذہ کے تربیتی اسکول میں تربیت کار کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ سات مہینے کے بعد لیکچرر کی حیثیت سے ترقی یاب ہوئے۔ پہلی پوسٹنگ ڈگری کالج سوپور میں ہوئی۔ یہاں سے ان کا تبادلہ جموں ہوا۔ جموں سے ایک سال کے بعد واپس آئے اور چار سال تک انت ناگ کالج میں خدمات انجام دیں۔ اسی دوران وہ مشہور صوفی بزرگ اورشاعرلسہ خان فدا اسلام آبادی کی صحبت میں کسب فیض حاصل کرتے رہے ۔ پرفیسر گلشن مجید ابن لسہ خان کا کہنا ہے کہ شمس الدین صاحب پروفیسر عبدالعزیز صاحب کے ساتھ ان کے گھر فدا صاحب کے پاس آتے تھے۔ چار سال ایس۔ پی کالج میں خدمات انجام دینے کے بعد ان کا تبادلہ زنانہ کالج نواکدل سری نگر ہوا۔ یہاں ان کو سات مہینے ہوئے تھے کہ منصف کا آرڈر گھر پہنچا۔ چونکہ درس وتدریس ان کا محبوب مشغلہ تھا اس لئے والد کی خواہش کے خلاف منصف بننے سے انکار کیا۔ ۱۹۶۱ء میں کشمیر یونیورسٹی میں فارسی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پہلے یہ شعبہ اردو شعبہ کے ساتھ ایک ہی سربراہ کے ماتحت رکھا گیا۔ ان دونوں شعبوں کے سربراہ غلام محی الدین قادری تھے۔ شمس الدین احمد نوزاد فارسی شعبہ کے لیکچرر مقرر ہوئے۔

Scanned with OKEN Scanner

تہران یونیورسٹی میں: شمس الدین کشمیریونیورسٹی کے فارسی شعبہ میں لیکچرر کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ ایران کی تہران یونیورسٹی نے تحقیقی کام کے لئےان کے حق میں وظیفہ مقرر کیا۔ کشمیریونیورسٹی سے اجازت نامہ لے کروہ تہران پہنچے۔ فارسی زبان اور علم وادب میں مہارت اوراعلی مقام حاصل کرنے کے یہ دن تھے۔ قسمت کا آفتاب طلوع ہونے والا تھا۔ تہران دانشگاہ میں باضابطہ داخلہ حاصل کرکے کشمیر کے معروف فارسی شاعر محمد رضامشتاق کی حیات سے متعلق تحقیق شروع کی۔ مولانا رومی پہ خاص مہارت رکھنے والے عالم،فاضل،دانشوراوردرویش صفت محقق پروفیسر سید صادق کی عالمانہ، محققانہ اور مشفقانہ رہنمائی میں اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کیا۔ یہاں انہیں بڑے بڑے دانشوروں،عالموں اوراساتذہ کا فیض حاصل رہا۔ جن میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا،ڈاکٹر بدیع الزماں فروزانفر،ڈاکٹر حسین خطیبی،ڈاکٹر جعفر محبوب،ڈاکٹر جعفر شہیدی،ڈاکٹر مہدی محقق،ڈاکٹر سیف الدین نجم آبادی، ڈاکٹر سید حسین نصرت اورڈاکٹر محمد مقیم وغیرہ شامل ہیں۔ جوایرانی آسمان ادب کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ ایران میں رہ کر شمس الدین احمد نے علم وادب کے چشموں سے پیاس بجھائی اورایرانی طرززندگی سے واقف ہوئے۔ فارسی بولنے میں مہارت حاصل ہوئی۔ ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کرکے وہ سری نگر واپس پہنچے۔

شمس الدین احمد صدر شعبۂ فارسی: کشمیریونیورسٹی میں فارسی شعبہ اردو شعبہ سے الگ کردیا گیا۔ شمس الدین نوزاد فارسی شعبہ کے پروفیسر اور صدر بن گئے۔ قابل اور محنتی اساتذہ کا ایک گروہ فارسی شعبہ کی توسیع اورپیشرفت میں مصروف ہوگیا۔ اس قافلہ میں رحمان راہی،کاشی ناتھ پنڈت اور غلام محمد مرغوب بانہالی جیسے قابل قدر عالم اور دانشور شامل تھے۔ ڈاکٹر شمس الدین کی سربراہی میں فارسی شعبہ میں اہم اقدامات اٹھائے گئے۔ ہر کلاس کے لئے نیانصاب ترتیب دیا گیا۔ تحقیقی اور تنقیدی رسالہ "دانش" شروع کیا گیا۔ یہ رسالہ اس وقت سے شایع ہورہا ہے۔ اب یہ فارسی شعبہ کی شناخت بن چکا ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین نے مختلف اسکالروں کے لئے کشمیر کے فارسی ادب سے متعلق موضوع کا انتخاب کیا۔ اس طرح بہت سارے معروف محققین نے ڈاکٹر شمس الدین کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جن میں پروفیسر غلام محمد مرغوب بانہالی،ڈاکٹر سید محمد امین قادری،ڈاکٹر غلام رسول جان،ڈاکٹر محمد صدیق نیاز مند،ڈاکٹر محمد یوسف لون،ڈاکٹر رفیقہ

Scanned with OKEN Scanner

میر اور ڈاکٹر محمد شفیع خان وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد یوسف لون، محبوبہ منصور، نیلوفر ناز نحوی اور بشیر احمد وغیرہ اسکالرز نے موصوف کی نگرانی میں ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی۔ آہستہ آہستہ فارسی شعبہ نے ترقی کی۔ڈاکٹر شمس الدین درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحقیقی اور علمی کام بھی کرتے رہے۔یہ ان کی زندگی کا اہم اور مشغول زمانہ تھا۔اسی زمانہ میں کشمیر میں فارسی زبان وادب جو کئی صدیوں سے درسگاہوں اور دانشگاہوں میں پڑھایا جاتا تھا، انہوں نے نئے سرے سے لکھنے پڑھنے کے لئے اور اس کی اہمیت وافادیت کا احساس دلانے کے خاطر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا۔ دور دور سے کتابیں منگوائیں گئیں، تلاش کر کے قلمی نسخے لائے گئے اور فارسی شعبہ میں جاندار وشاندار لائبریری قائم کی گئی۔انہوں نے فارسی شعبہ کی ترقی کے لئے جو کام کیا ہے اس پر اطمینان ظاہر کیا ہے۔"امکانی حدوں تک میں تعلیم حاصل کر کے واپس آیا یہ ۱۹۶۵ء تھا۔ کشمیر یونیورسٹی میں میری علمی سرگرمی شروع ہوئی۔میں نے کتابوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔فارسی ڈپارٹمنٹ اردو ڈپارٹمنٹ سے الگ ہوا۔اس سے مجھے کام کرنے کا اور دل وجان سے ڈپارٹمنٹ کو بلندیوں تک پہنچانے کا موقع ملا۔میں اس ڈپارٹمنٹ کا سینئر پروفیسر ہونے کے ساتھ صدر (head) بھی تھا۔پہلے ڈپارٹمنٹ کے لئے یونیورسٹی کے سالانہ رقم میں اضافہ کروایا ایک ہزار (۱۰۰۰) سے دس ہزار (۱۰۰۰۰)۔یہ رقم چالیس ہزار تک پہونچی۔فارسی کتابوں سے ہمارا ڈپارٹمنٹ مالامال ہونے لگا۔اس ڈپارٹمنٹ کے لئے میں نے اپنی وہ ذاتی کتابیں بھی وقف کی ہیں جو مجھے ایران سے پہنچتی تھی۔اس کے بعد میں نے بی۔اے اور ایم۔اے کے لئے بھی کتابیں تیار کیں۔ان کتابوں میں جدید فارسی میں گفتگو کرنے کے لئے ایک حصّہ مختص رکھا گیا جو میں خود پڑھاتا تھا۔ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے والے اساتذہ کے تعاون سے فارسی زبان میں دانش نام کا ایک ادبی رسالہ نکالنا شروع کیا، جو لنڈن افغانستان اور ایران بھیجتے تھے۔اس رسالہ کی تعریف میں خطوط بھی آئے۔ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی بھی کروانے لگے۔کئی اسکالروں نے میری نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈپارٹمنٹ میں دو سونے کے طمغے جاری کروائے۔ایک غنی کشمیری گولڈ میڈل ایرانی سفارت خانہ کی جانب سے اور دوسرا سلطان العارفین گولڈ میڈل۔ایران کے سفارتخانہ سے فلپس رنگین ٹیلیویژن ایران کی تاریخی جگہوں کی کیسٹ سمیت لیا جسے بچوں

Scanned with OKEN Scanner

کوفایدہ پہنچے۔ہندوستان کی مختلف دانشگاہوں اورایرانی سفارتخانہ کے عالموں کے آنے سے ڈپارٹمنٹ میں چہل پہل رہی"۔

ڈاکٹر شمس الدین کشمیر یونیورسٹی میں فارسی شعبہ کے صدر کی حیثیت سے کام کرنے کے علاوہ دوسری ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے۔یہاں تک کہ ۱۹۹۱ء میں فرائض منصبی سے سبکدوش ہوئے۔چارمرتبہ وہ یونیورسٹی کونسل کے رکن بنائے گئے اور چارمرتبہ یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ممبر۔کچھ عرصہ تک کالجوں کے ڈین، کچھ عرصہ تک آرٹس فیکلٹی کے ڈین رہےاور کچھ عرصہ کے لئےاورینٹل لرننگ فیکلٹی کے ڈین بھی۔کچھ عرصہ کے لئے انہوں نے کشمیر یونیورسٹی کے عارضی وائس چانسلر(Care taker Voice Chancellor)کی حیثیت سے بھی کام کیا۔وہ پہلے اسی یونیورسٹی میں بورڈآف اسٹیڈیز کے ممبر اور پھر چیرمین رہے۔جواہر لال یونیورسٹی، جموں یونیورسٹی، لکھنویونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی اور کلکتہ یونیورسٹی کے مختلف بورڈز کے رکن بھی رہے ہیں۔

اولاد:ماں کے سخت اصرار کے بعد ۱۹۴۷ء میں شمس الدین کی شادی ہوئی جب ان کی عمر سولہ برس تھی۔۱۹۴۸ء میں ان کا پہلا فرزند نثاراحمد جان پیدا ہوا۔وہ صرف چار مہینے کا تھا کہ شمس الدین کی والدہ جوانی میں اس جہاں فانی سے رخصت ہوئیں۔اس کی عمراڑتیس(۳۸)برس تھی۔ماں کی جدائی اور صدمہ کے باوجود انہوں نے ۱۹۴۹ء میں بی۔اے کاامتحان پاس کیا۔ان کے پانچ بچے پیدا ہوئے، تین بیٹےاور دوبیٹیاں۔نثار احمد جان،بلال احمد جان اور طارق احمد جان۔ نثار احمد جان ابھرتی جوانی میں اس دنیاسے چل بسا۔بلال احمد جان جونیرانجینیر اور طارق احمد جان اگریکلچرل آفیسر ہے۔ دونوں بیٹیوں کی شادی ہوچکی ہےاوراپنے گھروں میں آباداور خوشحال ہیں۔یہ سبھی بھائی بہنیں خوش اخلاق،اچھے انسان،دیندااراور مہمان نواز ہیں۔اکتوبر کی تین تاریخ ۱۹۶۷ء میں نثار احمد جان قران مجید کی توہین کے خلاف نکالے گئے ایک احتجاجی جلوس میں گولی لگنے سے شہید ہوا۔جلوس کالج لڑکوں نے نکالا تھا،جس میں نثاراحمد بھی شامل تھا۔نثاراحمد کی شہادت سے شمس الدین کو سخت صدمہ پہنچا۔اس صدمہ کی وجہ سے وہ مرتے دم تک مرثیہ خوان رہے۔

کھسہ ونہ دار تہ و وگنہ کارچھ راون مشکل

دلک فرحت تہ آرام لخراندرچھ ساون مشکل

(مقبول کرالہ واری)

Scanned with OKEN Scanner

مشہورادیب اور شاعر غلام رسول نازکی نے تاریخ لکھی۔

برقدومش قدسیاں اندر سرور برروانش ازرسول اللہ درود
روح معصومی شہیدی شاہدی ذرّہ چین ازنوراونور شہود
عشق احمد ایں معمارا کشود صاف شد اندیشہ بود ونبود
ہمرہش اسماء حسنی تاابد جان نثاراحمد مرسل نمود(۱۳۸۷ھ)

ملایکہ اس کے وہاں پہنچنے پر استقبالیہ پیش کررہے ہیں۔خودرسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درود بھیج رہے ہیں۔ایک محبوب معصوم شہید کی روح شہود کے نور میں مل گئی۔یہ راز عشق رسول نے کھول دیا ہونا یانہ ہونا صاف ہوگیا۔اللہ تعالی کے اسمائے حسنی اس کے ساتھ ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان قربان کی۔

شکل وصورت: شمس الدین خوش مزاج،شیریں گفتار اورخوش اخلاق انسان تھے۔ قد درمیانہ ، چہرا گول مسکراتا ہوا ، ماتھا نرم اورکشادہ ،بال گھنگریالے،کان کھڑے،ناک موٹی مگراونچی،لب خوبصورت اور موٹے موٹے سفید دانت۔ یہی شمس الدین کا حلیہ ہے۔وہ حسین تھےاور حسن کوپسند کرتے تھے۔زہین اور محنتی تھے۔ماں باپ کے فرمانبرداراوربھائی بہنوں کے لئے شفیق تھے۔نیک سیرت اہلیہ کے مداح اور شکر گزارتھے۔وہ اعلی پایہ کے خاندار،شفیق باپ اورشریف ہمسایہ تھے۔پہلے بال گارڈن میں رہتے تھےاس کے بعدراولپورہ منتقل ہوئےاورآخری دم تک راولپورہ کے محلہ آستان پورمیں مقیم رہے۔اچھی غذاکھانے کے شوقین تھے۔مہمانوں کی بہت خاطرتواضع کرتے تھے۔یاروں دوستوں کی قدرکرتے تھے۔تعلیمی سفرکے دوران جہاں کہیں کسی دوست سے آشنائی ہوئی اس کو کبھی نہیں بھلایا۔خواجہ عبدالرشید بانڈے جوریڈیو کشمیر سرینگر کے مشہوراور مقبول ریڈر تھے وہ آج بھی شمس الدین احمد کی دوستی کی مثال دیتے ہیں۔ شمس الدین احمد کے دوستوں کی فہرست بہت لمبی ہے جس میں کچھ جانی دوست بھی شامل ہیں۔بخشی گل محمد،عبدالاحدلون،عبدالمجید فاضلی،مقبول احمد خان،محمد شفیع خان،شیخ حبیب اللہ اور بنسی لال ترکروو غیرہ۔

علمی اورادبی کام: شمس الدین جلدنویس مترجم اور شارح تھے۔انہوں نے پانچ فارسی زبان کی شاہکار کتابوں کاکشمیری میں ترجمہ کیا۔وہ دوسری زبانوں کے علم

Scanned with OKEN Scanner

وادب سے کشمیری زبان کادامن بھرنا چاہتے تھے۔آٹھ معرکتہ الآرا فارسی کتابوں کااردو میں بھی ترجمہ کیا۔ایک کشمیری مثنوی کااردو زبان میں ترجمہ کیا۔ان کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں کے صفحات ہزاروں میں ہیں۔انہوں نے ہزاروں اصطلاحوں کی عالمانہ وضاحت کی ہے۔وہ اعلی پایہ کے شرح نگار تھے۔کشمیری فوک لور کی کچھ چیزیں انہوں نے فارسی میں ترجمہ کی۔اردو،فارسی اورانگریزی زبانوں میں انہوں نے مختلف دانشگاہوں میں پر مغز تقاریر کیں۔ان زبانوں میں مقالات بھی لکھے۔افسوس کا مقام ہے کہ ابھی تک ان کی تقاریر اور مقالات کو ڈھونڈنے،جمع کرنے اور ترتیب دینے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔البتہ کشمیر یونیورسٹی کے فارسی شعبہ کی جانب سے ۲۰۰۹ء میں ''سھم شمس در فارسی'' کے عنوان سے شمس الدین کے سولہ فارسی اور گیارہ اردو مقالات کا خاص مجموعہ شائع کرکے قابل تعریف کام انجام دیا گیااوران کی خدمات کافخر سے اعتراف کیا ہے۔تاہم یہ مقالات وہ ہیں جو دانش رسالہ میں شائع ہوئے تھے۔''سھم شمس در فارسی ''جیسی قابل دید کتاب میں شمس الدین کا فارسی زبان میں دیا گیاانٹرویو بھی ہے۔جو ایران کے بامداد رسالہ میں شائع ہوا تھا۔

شمس الدین کے علمی اورادبی کاموں کامعیار دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان کو جیتے جی وہ عزّت اور مقام نہیں ملاہے جس کے وہ حقدار تھے۔فارسی زبان کے ماہر اور پروفیسر ہونے کی حیثیت سے جو تعلیمی اورادبی خدمات انہوں نے انجام دی تھی،ان کے عوض میں انہیں صدر جمہوریہ گولڈ میڈل عطا کیا گیا تھا۔ان کے علمی،تدریسی اورادبی خدمات کے اعتراف میں کشمیر یونیورسٹی کی جانب سے عزّت افزائی کے طور پران کے مقالات کا مجموعہ '' سھم شمس درفارسی'' شائع ہوا ہے۔یہ اس محسن اور معلّم کو صحیح خراج ہے۔اس کے دیباچے میں سابقہ صدر شعبۂ فارسی پروفیسر محمد منور مسعودی لکھتے ہیں۔

''پروفیسر مرحوم کے وقتاًفوقتاً لکھے گئے اردو اور فارسی تحقیقی مقالات کا یہ مجموعہ عزت مآب شیخ الجامعہ کشمیر کے حکم پر فارسی شعبہ کی جانب سے ترتیب دے کر دانش رسالہ کے ساتھ شمس الدین احمد کی ایک حسین یادگار کی حیثیت سے الگ سے شائع کروایا گیا۔ شیخ

Scanned with OKEN Scanner

الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر ریاض پنجابی نے مرحوم کے اس دنیا سے رخصت ہونے پر ان کی یاد میں فارسی شعبہ میں ایک وظیفہ (scholarship) قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی"۔

کشمیری زبان میں کچھ مقالات کے علاوہ شمس الدین نے مشہور کشمیری صوفی شاعر شمس فقیر سے متعلق دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک ریاستی کلچرل اکیڈمی کی فرمائش پر اردو زبان میں اور دوسری مونوگراف کی شکل میں ساہتیہ اکاڈمی کی فرمائش پر کشمیری زبان میں۔

وفات : شمس الدین احمد ۲ جولائی ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۹ ہجری اس جہاں فانی سے رحلت کر گئے۔ اسی دن سری نگر راز کدل مزار میں مدفون ہوئے۔

ان کے انتقال پر ثقافتی، علمی اور ادبی اداروں نے تعزیتی قرارداد پاس کی۔ کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کی جانب سے بلائی گئی ایک تعزیتی مجلس میں پروفیسر جمشید نسیم رفیع آبادی نے کہا: "عربی زبان کا مقولہ ہے کہ عالِم کا انتقال عالم کا انتقال ہوتا ہے۔ چونکہ ہمیں اپنے عالموں کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہے۔ شاید بڑے عالم شمس الدین کے علم اور علمی وادبی کاموں کی درحقیقت کوئی قدر نہیں ہے۔ مگر اس اکیلے شخص نے وہ کام انجام دیے جو بڑے بڑے ادارے بھی انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ انہوں نے کشمیری تاریخ کے خفیہ گوشے عیاں کئے وہ بھی ریٹائرمینٹ کے بعد، جب ہمارے اسکالر سبکدوشی کے بعد بی۔ ایڈ کالج کھولتے ہیں، یا کوچنگ سینٹر کھولتے ہیں، یا صحافت کے ساتھ جڑ جاتے ہیں جہاں کسی دوکان پہ لکھنا آسان نہیں ہے۔ اپنے علمی تجربات اور علمی صلاحیتوں کو تحقیقی اور تخلیقی کام میں بروئے کار لاکر آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ نہیں بنتے ہیں۔ پروفیسر مرحوم نے کشمیری اسکالر ہونے کا قرض اور فرض ادا کیا"۔

Scanned with OKEN Scanner